

روزی اطمینان سے اٹھا اور اطمینان سے تادیر اپنے خصیے کھانے کے
کو ٹھڑی میں گیا۔ جب واپس آیا تو اخباری کانڈ میں لپٹی ہوئی گیند کے سائز کی کوئی
کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے یہ شے کالے کے آگے رکھ دی۔

”کیا ہے؟“ کالے کی آواز میں لرزش تھی اور جنسی طور پر بے اختیار ہو
ایک شخص کی طرح اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
”دیکھو —“ روزی نے صرف اتنا کہا۔

کالے نے اخباری کانڈ کو ایسے احتیاط سے کھولا جیسے اس کے اندر کوئی

ہو...

اس کے اندر ایک ٹوٹا ہوا ہیڈ تھا... ایک چھوٹا سا سر لیکن اس کی کوئی
سلامت نہ تھی۔ مشاہد کو وہ ایک عام سا پتھر لگا۔

”یہ تو سب ٹوٹا ہوا ہے —“ کالے نے اس پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا
”ہاں —“ روزی نے پھر صرف یہی ایک لفظ کہا۔

”تو یہ... بالکل ٹوٹا ہوا ہے بیکار ہے —“

”ہاں —“

”کتنے کا؟“

”پانچ ہزار —“

کالیا ہنسنے لگا لیکن مشاہد کو اس کی ہنسی تھپڑ کے کسی اداکار کی لگی... کہیں
وہ قدرے بلند تھی اور قدرے بے وجہ ”پانچ ہزار —“ اس ٹوٹے ہوئے ہیڈ
”زیادہ سے زیادہ سو روپے کا ہے —“

”ٹھیک ہے —“ روزی نے کہا۔ پہلے تو کالیا یہ سمجھا کہ سودا ہو گیا۔
روزی نے ہیڈ کو کانڈ میں پسینا اور اٹھ کر اندر جانے لگا۔

”روزی — بات تو کرو —“ کالیا بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا بات کرو —“

”تم اپنی قیمت بتاؤ یا را۔ غصہ مت کرو —“

”پانچ ہزار —“

”یہ تو انصاف نہیں ہے —“

”تم انصاف کرو — اسے دیکھو کیا ہے؟“

”بس بدھا کا ٹوٹا ہوا ہیڈ ہے — اور کیا ہے؟“

”نہیں سیٹھ کالیا — یہ صرف ہیڈ نہیں۔ سُوکھے کا ہیڈ ہے — اس کا گال بھوسا... اس کا آنکھ دیکھو اندر گیا ہے۔ سُوکھے کا ہیڈ ہے... بے شک ٹوٹا ہوا ہے — پانچ... نہیں تو میں لے جاتا ہوں:“

”اچھا بسن یا پانچ ہزار ہی سہی —“ کالیا جھنجھلا گیا اور پھر پٹھانوں کے بارے میں نازیبا کلمات کہے۔

”ابھی لے جاؤ گے یا اندر رکھ دوں“ روزی یقیناً لطف اندوز ہو رہا تھا۔

”ابھی —“ کالے نے رقم گن کر اس کے کھزورے اور ٹوٹے ہوئے ناخنوں لے ہاتھوں میں دی اور اخباری کانڈ میں لپٹے گیند کو اٹھا کر وہ دونوں باہر گلی میں آ گئے۔

”پانچ ہزار —“ مشاہد تقریباً چیخ اٹھا ”اس پتھر کے... تم ہوش میں تو ہو —“

”میں نے صبح سے ایک گھونٹ نہیں پیا —“ کالے نے شہادت کی اُننگی بلند کی پھر اخباری کانڈ کو ذرا سا کھول کر اُس میں جھانکتے ہوئے وہ مستی میں بولا ”مشاہدی یہ یونیک چیز ہے — تم نے لاہور میوزیم میں فاسٹنگ بدھا تو دیکھا ہے ناں... پوری دنیا اس سے یونیک پیس اور کوئی نہیں۔ اس کی کوئی قیمت نہیں — جب لارڈ بدھ نے طویل تمپیا کی گیان حاصل کرنے کے لئے تو وہ — بالکل سُوکھ گیا — اسی لئے بی نے اسے سوکھا کہا تھا... یہ نمونے بالکل نایاب ہیں... یہ دیکھو روزی درست کہتا تھا کچھ ٹوٹا ہوا ہے لیکن — اس کی دونوں آنکھیں ایک فائدہ زدہ شخص کی طرح دھنسی اور مُردہ ہیں اور اس کے گل اور ماتھا پچکا ہوا ہے — میں اسے پانچ ہزار تو کیا پچاس میں بھی خرید لیتا —“

”اسے بھی جاپان سمگل کر دو گے“

”نہیں — اسے میں اپنے پاس رکھوں گا۔ اپنے پرائیویٹ میوزیم میں —“

اس دوران روزی اپنی بستی ہوئی ناک کڑتے کی آستین سے صاف کرتا ہوا باہر آ ”اوسر اسلام خان کے پاس ایک چیز ہے — دیکھو گے؟“

”میں جانتا ہوں“ کالے نے سر ہلایا ”پوری مارکیٹ جانتی ہے لیکن وہ پیسے بہت رہا ہے۔“

”نہیں دیکھو گے؟“

”دیکھ لیتے ہیں — کیوں مشاہدی؟“

مشاہد بھی ایک نامعلوم کشش کے تحت گندھارا کے ان ہزاروں بربر نقوش کے قریب آ رہا تھا۔ یہ ایک عجیب کھیل تھا — کیا دنیا کے کسی حصے میں اس کے ساتھ اس قسم کا کھیل کھیلا جاتا ہے؟

اسلام خان بہترین چترالی چرس کے تین بگرمٹ پی کر اپنے کمبل میں آگے پتہ نہیں کن جہانوں میں تھا جب اُسے روزی کی آواز دور سے... کہیں ایک گہرائی سے آتی سنائی دی اور وہ فوراً ہوشیار ہو گیا۔ کالیے کو دیکھ کر اُس کی باج گئیں اور وہ مزید ہوشیار ہو گیا۔ ”آ... آ کالیا سیٹھ —“ وہ آگے بڑھ کر اُس سے بغل اور چرس کے نشے کی وجہ سے خاصی دیر بغل گیر رہا۔ پھر کالیے نے اُسے باقاعدہ پرے کیا اور کہنے لگا ”اسلام...“

فوری طور پر خان نے ”زندہ باد“ کا نعرو لگایا اور پھر فوری طور پر شرمندہ سر کھجا کر کہنے لگا ”ہاں کالیا سیٹھ —“

”ہم وہ دیکھنے آئے ہیں —“

”آؤ —“ اُس نے کہا۔

اُن تینوں کو دیکھ کر چٹکبری گائے نے ایک خوش آمدیدی ”باآں“ کی جواب میں اسلام خان نے اُسے پشتو میں کس مناسب گلی سے توازا۔ گائے نے کر تھو تھنی دوسری جانب کر لی۔ کوٹھڑی میں کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد انہیں دیا۔ گوہر کے ڈھیر کے برابری پرالی کے گتھے تھے اور ان کے برابر میں فرش پر پرالی میں سے ایک سفید پاؤں نظر آ رہا تھا۔

”ہمن یا جینوئن ہے۔“ کالیے نے ایکسائیٹ ہو کر مشاہد کا بازو جھنجھوڑا ”پاؤں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ باقی بھی اصلی ہے اور کیا پاؤں ہے مشاہدی“ وہ سلیو نیچے بیٹھا گیا اور پھر اپنی آنکھوں کو پاؤں کے قریب لانا گیا ”صدتے —“ اسلام خان ایک کونے میں کھڑا اپنے آپ کو گرنے سے بچانے کے لئے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا رہا تھا۔

”اوئے باقی بھی دکھا دے ظالما — پرالی ہٹا دے“

اسلام سنبھلا اور آگے بڑھ کر پرالی کے بجگھے اٹھانے شروع کر دیئے اور وہ انہیں
 بس کے نشے کی وجہ سے بے حد آہستگی سے اٹھا رہا تھا اور کالیا کتا تھا ”اوئے جلدی کر
 - جلدی۔“

آہستہ آہستہ وہ ظاہر ہوتا گیا۔

نفیس ترین کاریگری - Stucco سے بنا ہوا ایک لائف سائز بدھ کا مجسمہ - ایسی
 نالی کہ صرف ایک سانس کی کسر تھی ورنہ وہ بولتا۔ کیا اُس کے گھٹنے پر بھی کسی مائیکل
 جملو نے ہتھوڑی مار کر کہا ہو گا کہ بول - تو ہی تو پرفیکٹ بدھ ہے - اگر مونسے
 یں بولا تھا تو یہ بدھ کہاں بولا ہو گا جو یوں بھی کم گو تھا - یہ ایسے مائیکل - جملو زتھے جو
 انام نہیں اپنی عقیدت چھوڑ جاتے تھے - ویسے جس نے فاسٹنگ بدھ تراشا تھا اس نے
 مالے شاید بولنے کے لئے ضرب نہیں لگائی ہو گی کیونکہ وہ لوگ اپنے بڑوں کا ادب
 دیتے تھے۔

کالیا ابھی تک اس کے پاؤں پکڑے بیٹھا تھا اور انگلیوں پر غور کر رہا تھا - ”بولو
 - کتنا رقم؟“

وہ نہیں بولا۔ دیوار سے ٹیک لگائے کالیے کے زرد پڑتے چہرے کی ایکسٹ منٹ
 ، لطف اندوز ہوتا رہا۔

”بولو -“ کالیے نے ایک بار پھر کہا اور چونے کی سفیدی جس میں شاید جان بھی
 اُپر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا ”کیا بہن یا کاریگر تھے - بولو“

”پانچ -“ خان نے مسلسل مسکراتے ہوئے کہا۔

”پانچ؟“ کالیے نے اُس کی جانب دیکھے بغیر کہا ”پانچ میں تو بہن یا ادھر لندن میں
 ٹی کے نیلام گھر میں ایسا پیس مل جاتا ہے یارا -“

”تو ادھر جاؤ ادھر کیا کرتا ہے -“ اُسکی مسکراہٹ چلتی جا رہی تھی۔

ہر دو چار ہفتوں میں وہ لندن کا پھیرا لگاتا تھا۔ اکثر اوقات کرٹی سے کوئی گندھارا
 خرید کر اسے پاکستان لاتا اور یہاں سے جاپان سمگل کر دیتا۔ کیونکہ جو کچھ Source
 آتا ہے اُس کے جینوین ہونے میں شک نہیں ہوتا۔

”چار - منظور ہے -“

”نہیں -“ اسلام نے گوبر پر تھوکا ”نہیں -“

”آؤ مشاہدی“ کالیا مجھ سے نظریں چڑاتا ہوا اٹھا صرف اس ڈر سے کہ کہیں اس کی صنائی سے متاثر ہو کر ”پانچ“ نہ کہہ دے۔۔۔
 ”سنو —“ خان بولا۔

”ہاں —“ کالیا بیتابی سے اس کی جانب پلٹ پڑا۔
 ”یار اِدھر تم دونوں اس کو ہاتھ تو لگاؤ۔ برکت کے لئے —“
 کالیا مسکرایا اور اس نے بدھ کے سر پر پیار دیا ”آؤ مشاہدی“
 ”میں کیا کروں؟“

”صرف اس ورک آف آرٹ پر اپنا ہاتھ پھیر دو۔ اِدھر گندھارا میں ذیل والوں میں رواج ہے کہ جب کوئی ریئر پیس ملے تو اپنے مہمانوں کی عزت افزائی کے ان سے درخواست کرتے ہیں کہ اس پر ہاتھ پھیرو۔۔۔ جب وہ پیس اُن کی خواہش کے فروخت ہو جاتا ہے تو ہر ہاتھ پھیرنے والے کو نذرانے کے طور پر کچھ رقم روانہ کی جا — تمہیں بھی چار پانچ ہزار مل جائیں گے ہاتھ پھیرو —“

مشاہد نے کندھے سکیڑے اور مجھ سے کے پاس بیٹھ کر اس کے سینے پر رکھا۔۔۔ اور اُسے آئندہ زندگی میں — زندگی کے آخر تک شبہ رہا کہ اس لمحے نے وادی سوات کے ایک دور افتادہ گاؤں میں ایک اصطبل میں بدھا کے سینے پر ہاتھ تو اس کی ہتھیلی کے نیچے کچھ دھڑکا تھا۔ جیسے دل کی ایک دھک ہو۔
 ”اصطبل میں ایک اور عیسیٰ پیدا ہوا ہے —“ کالیا باہر نکلتے ہوئے بڑبڑاتا تھا۔

مشاہدی۔۔۔
 گلی میں ان کے آنکھیں یکدم چندھیا گئیں۔ وہ ایک اور زمانے میں چلے اور اب واپس آئے تھے۔

ڈاکٹر ارشد اور اس کا سُر اُن کے انتظار میں تھے اور شدید ناگواری اُن پر تھی کیونکہ وہ دونوں گواہ تھے — نکاح نامے میں صرف اُن کے دستخطوں کی پر تھی۔

چار کاروں کا قافلہ جب غل سے نکلا تو شام ہو رہی تھی اور اب آؤ پہاڑیوں میں مایکا کی چمک ماند پڑ چکی تھی۔ ایک سفید ٹشل کاک برقعے میں

لو کریں کھاتی ہوئی اُس صحن میں سے نکلی تھی اور ڈاکٹر کی کار میں ایک ٹابینا کی طرح، راستہ دکھانے سہارا دیتے بٹھادی گئی تھی۔

برادر عزیز نے پیٹرول کی پچھلی نشست پر خوب گند مچایا ہوا تھا۔ اور اب وہاں صرف زگس کی مہک نہ تھی۔

تھانے کے دیران ہوتے بازاروں میں سے گزر کر جب وہ بٹ خیلہ جانے والی برک پر آئے تو شام بہت گہری ہو چکی تھی۔ چمک دتہ پل پر چند روشنیاں تھیں جن کا عکس نیچے بریلے پانیوں پر پڑتا تھا۔

”کل صبح ذرا سویرے سویرے نکلیں گے — میں شام سے پہلے لاہور پہنچنا چاہتا ہوں۔ بریگٹا فکر مند ہوگی“

”کل صبح؟ — آج رات بٹ خیلہ میں بسر کرو گے؟“

”ہاں —“

”کیوں؟“

”کیوں کا کیا مطلب؟“

”بھئی رات کے وقت جو کرنا ہے شیر نے کرنا ہے۔ اب پتہ نہیں اس بوڑھے شیر سے کچھ ہوتا بھی ہے یا نہیں — ہم سیدھے چلتے ہیں۔“

”اسلام آباد؟“

”ہاں —“

مشاہد نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ چھ بج رہے تھے۔ باہر سلیٹی منظر گھنی تاریکی میں گم تھا ”ٹھیک ہے — چلو“

”لیکن مجھے برادر عزیز کو وے سائڈ ہوٹل میں اُتارنا ہے —“

ان کی پیٹرول کی بریک لائنیں جلیں تو بقیہ تینوں کاریں ہارن دیتی ہوئی آگے چلی گئیں۔

”چلو برادر عزیز“ کالیے نے کٹورے کو گردن سے دبوچ کر اٹھایا اور وے سائڈ ہوٹل کے چھتر کی طرف پھینک دیا۔ اُس کی دردناک ”چاؤں“ دریائے سوات کے شور کے باوجود اُن تک پہنچی۔

دریا کے کنارے اُن کی کرسیاں اُسی ترتیب سے اب بھی پڑی تھیں۔

”تھوڑی دیر بیٹھ جائیں؟“

”کیا کریں گے؟“

”یہ —“ کالیے نے جس طرح کُتورے کو دبوچا تھا اُسی طرح پچھلی نشستہ فرش پر پڑی بلیک لیبل کی ایک بوتل کو پکڑا اور مشاہد کی آنکھوں کے سامنے —“

کُتورا پھر اُن کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

دریا کا شور قریب ہونے لگا۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان دونوں نے تیری کو دیکھا اور ایک گہرا سانس بھرا۔

”صدقے —“ کالیے نے پہلی گھونٹ کے بعد بہت دھیمے ہو کر اپنے آپ مطمئن ہو کر سرگوشی میں کہا ”چل بھی مشاہد —“

”نو تھینک یو —“

”کیوں؟“

”بس —“

”برادر عزیز آؤ برادر عزیز —“ کالیے کی مچکی پر کُتورے نے بے حساب دم ہلائی۔ قریب آیا تو کالیے نے ہتھیلی پر تھوڑی سی دھسکی انڈیل کر اُس کے سامنے کی۔ اُس تھو تھنی آگے کر کے سونگھا اور اتنے زور سے چھینکا کہ دوہرا ہو کر گر گیا اور پھر مشکل اٹھا۔

”برادر عزیز آؤ برادر عزیز —“ کالیے نے مایوسی میں سر ہلایا اور ہتھو منہ کے قریب لا کر دھسکی کو سوپ کی طرح خود ہی مڑپ گیا۔

”مشاہد — اسلام آباد پہنچتے ہی تمہیں پتہ ہے کہ سب سے پہلے میں نے کیا کرنا ہے؟“

مشاہد چپ رہا تو کالیا ناراض ہو کر کہنے لگا ”پوچھو تو سہی کہ کیا کرنا ہے؟“

”کیا کام کرنا ہے؟“

”گشتیوں کا بندوبست کرنا ہے —“

”کیا؟“

”زبردست مجرا کرانا ہے ڈاکٹر بڈھے شیر کی شادی کی خوشی میں — باشرائیں“

گفتیں۔ — ”نار ہونز سیک — ”مشاہد نے شدید ناگواری سے سر ہلایا ”یہ... یہ لفظ استعمال

کیا کرو

”کونسا لفظ؟ —

”یہی — گشتی وغیرہ“

”اوائے — ”کالیا اندھیرے میں اُس کے چہرے کے قریب اپنی آنکھیں لا کر بولا
 شتی کو گشتی نہ کہوں — لیڈی کہوں؟ نیک پر دین کہوں؟ تم ابھی تک وہی پُت پینڈو ہو
 بک محل مشن ہائی سکول والے...“
 سیاہی ہر شے میں سرائت کر چکی تھی۔

درجہ حرارت آج بھی صفر سے کہیں نیچے تھا اور برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔
 دیوں کے دامن میں آلوچے کے جو باغ تھے اُن کی جانب سے ایک برفیلی ہوا آتی تھی۔
 ”نہیں — “یکدم کالیے نے اُسی سرگوشی میں کہا جیسے اُس نے ”صدقے“ کہا تھا
 رنہ کھول کر اُس میں دہسکی اُنڈھلتے ہوئے ایک ڈر کے ساتھ بولا ”نہیں — “اُس نے
 لہکا کہ ہوٹل کے پچھواڑے میں آلوچے کا جو تنہا درخت تھا اور جس کی سُوکھی ہوئی
 فوں پر ابھی ابھی جب اس نے برادر عزیز کو دبوچ کر وہاں پھینکا تھا کہیں کہیں سفید دھبے
 ، اور آلوچے کے شگوفے کھلنے کے لئے ابھی تھوڑی سی جدت درکار تھی جو اگلے تین
 ہفتوں میں تو ممکن نہ تھی —

لیکن — وہ تین چار ہفتے اُسی وقت گذر گئے۔

آلوچے کی شاخوں پر پھوٹتے ہوئے سفید دھبے دیکھتے دیکھتے اُس کی نظروں کے
 نے اندھیرے میں کھلنے لگے۔ ساری شاخیں سفید روشن شگوفوں سے بھر گئیں۔
 ”نہیں — “تب کالیے نے اُسی سرگوشی میں کہا تھا — وہ بے یقین ہو رہا تھا۔
 ”دیکھ رہا ہو مشاہدی؟“

مشاہد خاموش رہا۔ آلوچے کے سفید شگوفوں کی روشنی نے کُتورے کی آنکھوں کو
 ماچھڑیا دیا اور اُس نے بیزار ہو کر ایک ہلکی سی ”ف“ کی۔

”میں — میں بڑے کے گھر تک پہنچوں گا۔ میں دیکھوں گا — “کالیا اٹھا ہاتھ
 تباہ اور لرزش میں اٹھا اور اسی انداز میں کُتورا بھی سرد زمین پر پڑی دُم بیچ کر اٹھا اور

اُس کے پیچھے ہو لیا۔

وہ دونوں تاریکی میں چلے گئے۔ کالا اور کُتورا۔

کچھ مدت — ایک سرد اور صفر سے نیچے کے درجہ حرارت میں بیٹھنے سے،
آلوچے کے جنگلوں سے بریلی اور سلیٹی ہوائیں آتی تھیں اور جہاں ہماؤ کا شور تھا
ابھی تک تھما نہیں تھا وہاں کچھ مدت بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا — مشاہد بھی
وہ دونوں تاریکی میں سے نکل کر اُس کی جانب واپس آ رہے تھے۔ کالا اور
کالیے کے چہرے پر بے یقینی کی عبارت تھی جو اُس تاریکی میں بھی صاف
سکتی تھی... اُس نے ہاتھ آگے کیا۔ اُس میں ایک سفید شگوفہ تھا — ایک سفید
— کھلا ہوا —

”یہ کیا ہے مشاہدی؟“

”یہ — ہم ہیں“

چار چیزیں ہیں...

صاحب کمال کا گل بلڈر رُک رُک کر دھچکوں سے خالی ہونے لگا اور اُسی رفتار کی کاٹ سے قرار کا ایک گہرا سانس اس کے ہانپتے کھلے منہ سے باہر آنے لگا... آئی ہوپ ٹی ایم ناٹ وینٹنگ مائی سیلف... لائٹ سوئچ پتہ نہیں کہاں تھا۔
ہاتھ رُوم میں مکمل تاریکی تھی۔

صاحب کمال نے اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنے کے لئے دیوار کا سہارا لیا اور وہ لمبی دوسرا تھا ہاتھ رُوم کے آئینے کے اندر، جس کے خدو خال اس سے مماثلت رکھتے تھے اسے دیکھنے لگا کہ یہ وہ خود تھا... لیکن اُس کا چہرہ سیاہی میں تھا اور سفید بل بھی سیاہ نظر آتے تھے... یوتھ او یوتھ وہیر ہو آئی مِس پلیسڈ یو... کم از کم ادھر ویسٹ میں غسل خانوں کا دیواریں سلڈ ہیں اور ہولڈ کرتی ہیں ادھر ایسٹ میں تو غسل خانے بھی بمبوز کے ہوتے تھے ڈیم اسٹ... سارا الو تو پورا سیٹ اپ تمہارے سمیت کر لیش کر جاتا تھا... بمبو ہٹ میں وہ لٹی تھیں؟ وہ جتنی بھی تھیں اُن پر گوشت بہت کم تھا... اینڈ اسٹ واز نو فن — بٹ ڈیوٹی از ڈیوٹی — آنر آل تب کا کرنل صاحب کمال ”مائیکر“ کا شاگرد تھا... ویرا اکل باسٹرڈ۔

کیا یہ عمر ہے جو مجھ پر صاحب کمال پر ریگتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور اُس کے پنچے میرے بدن میں چبھتے چلے جاتے ہیں ڈیم اسٹ یا یہ کچھ اور ہے... یہ عجیب قصہ ہے کہ وہ مارے چہرے مجھے یاد ہیں اُن بنگالی بلیکیز کے... منٹو کا ٹھنڈا گوشت لیکن آنکھوں میں... اس لمحے بھی... نفرت کے زندہ جراثیم کروٹیں لیتے ہوئے... یہ پنچے میرے بدن کے اندر ٹوکوں کی طرح جاتے ہیں... ان میں کوئی ایک سول پچھتاوے کی تو نہیں... ہے؟ — ہٹ ٹان سنس... اسٹ واز مائی ڈیوٹی... نسل کو بدل دینا... ذرا رنگت اور قد کو بہتر کر دینے میں کیا قباحت ہے... مائی ڈیوٹی۔

صاحب کمال یکدم بڑی طرح لڑکھڑایا... اُس کا مثانہ کب کا خالی ہو چکا تھا اور جس دیوار کو اُس نے تھام رکھا تھا اس میں سے ایک بگ بگسی اُس کی ہتھیلی کے راستے اُس کے

مٹانے کے اندر تک پہنچ رہی تھی۔

ڈیوٹی اپنی جگہ لیکن — وہ سب کہاں ہوں گے؟

میرے آف سپرنگز —

یہ ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا — شاید یہ ہو سکتا ہے کہ میں کبھی اُن میں سے ایک کو دیکھ سکوں... اس آئینے میں جو شکل اب دکھنے لگی ہے اور اس کے بل چکے ہیں اور آنکھوں کے گرد کروڑ فیٹ ہیں اور ہڈیوں پر کھنچی ہوئی جلد ڈھیلی پڑ چکی کیا کسی کی شکل ایسی ہوگی؟

”کس کی شکل ایسی ہوگی؟“ اُس نے یکدم ایک بلند اور بھدی سی آواز پکارا... ایک ملٹری کمانڈ کی طرح۔

مجھے اُن میں سے صرف ایک درکار ہے تاکہ میں اُسے اپنی ملکائی کی گود میں سکوں... لیکن وہ تو اب تک بہت بڑے ہو چکے ہوں گے... ماشاء اللہ... صرف ایک ہے ملکائی کی تسلی کے لئے... صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فال سے پہلے میں مر ڈیم اٹ آئی ایم ناٹ امپونٹ...

”آئی ایم ناٹ؟“ — اس نے پھر بلند اور بھدی سی آواز میں جیسے سوال کیا۔

”ؤف...“ ایک غیر انسانی سا جواب کہیں سے آیا۔

صاحب کمال نے اپنے آپ کو خاصے تردد کے بعد ڈولنے اور گرنے سے باز رہا۔ اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی... ایک اور ”ؤف“ سے اس نے سمت کا تعین کیا۔ شاید بُب میں کوئی چیز تھی جس کے جسم کا کوئی حصہ مسلسل حرکت میں تھا اور یہ وہیں سے آئی تھی... آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں اور بجلی کا سوچ دکھالے لگا تھا۔ اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی روشنی آن کر دی جس کی پہلی چھن اس کی آنکھوں میں گئی اور اُس نے ناک چڑھا کر اُدھر دیکھا جہاں نیلے بُب میں ایک مخدوش نسل کا نمائندہ اہتمام سے دُم ہلا رہا تھا اور تیز روشنی نے اس کی مہین آنکھوں کو بھی لکھ لئے چند ہیا دیا تھا۔

”اے ڈیم پتی —“ صاحب کمال زیر لب بڑبڑایا — یہ زاہد کالیا ان دنوں پارٹیاں تھرو کر رہا ہے۔

کتورے نے جو بہت دیر سے کموڈ پر جھومتے جنٹل مین کو دیکھ رہا تھا اور

گرتی بوندوں کی ٹپ ٹپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا ایک اور ”ؤف —“ کر کے اپنی مکمل لمبائیت کا اظہار کیا۔

”اسی لمحے باہر سے زاہد کالیے کی آواز اندر آئی —“ ”آریو آل رائٹ سر؟“
صاحب کمال نے جواب میں غسل خانے کا دروازہ کھول دیا۔ ”آف کورس آئی ایم آل رائٹ۔۔۔“

”بٹن اپ سر —“ کالیے نے نظریں جھکا کر درخواست کی۔
”اوہ —“ صاحب کمال نے قدرے خجالت سے اپنے آپ کو بٹن اپ کیا اور پھر ذرا سیدھا ہو کر غصے سے کہا ”راز ہی انوائیڈ؟“

”کون سر؟“ زاہد کالیا رسلک کے سنہری ڈلکس مارتے سوٹ اور میچنگ ٹائی کے ساتھ صاحب کمال کے سامنے تقریباً جھک گیا۔

”ہی —“ اس نے صرف اپنی گھٹی ابرو چڑھا کر ادھر اشارہ کیا۔
کالیے نے غسل خانے کے اندر جھانکا اور اس کے چہرے پر ماؤں ایسی شفقت کی رنگت گہری ہونے لگی ”سر — یہ بہن یا برادر عزیز ہے — میرا بھائی ہے“
”انڈیڈ —“ صاحب کمال نے اپنے آپ کو مزید کمپوز کیا اور مسکراتے لگا ”زاہد — یو آر دے لمٹس — پارٹی شروع ہوئی ہے یا نہیں؟“

”سرکشتیاں ابھی ٹش نکال رہی ہیں اور ذرا بہن یا سر میں آ رہی ہیں — اور سر آپ غسل خانے میں ڈرائی تو نہیں رہے — ادھر کھڑکی کی چوکھٹ پر بھی میں نے بلیک لیمل کی ایک بوتل اور گلاس رکھوا دیئے تھے۔۔۔“

”Really?”

”سر —“ کالیا فوراً ہاتھ روم میں گیا اور باہر آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں وہسکی کی ٹاک تک بھری بوتل تھی اور دوسرے میں ایک گلاس ”سنگل یا ڈبل سر؟“
”یو آر دے لمٹس کالیا —“ وہ بے حد معظوظ ہو رہا تھا ”سنگل پلیز —“

صاحب کمال کے رخصت ہونے پر کالیا جو ابھی تک جان بوجھ کر ڈرائی تھا کہ یہ پارٹی اس کے گھر میں تھی اور اسے انتظام کرنے تھے اور یہ پارٹی ڈاکٹر ارشد کی تاخیر شدہ شادی کی خوشی میں تھی، غسل خانے کے اندر گیا اور اس نے برادر عزیز کی ایک فوری ”ؤف —“ کے جواب میں اُسے اٹھایا اور اس کے گیلے کٹا ہونٹوں پر ایک زبردست پیار

بھرا بوسہ دیا اور نہایت الفت سے کہنے لگا ”یو آر دے چیف گیٹ برادر عزیز۔
مہمان مختلف کمروں میں تھے۔

اپنی عادتوں۔ خصلتوں اور رُتہوں کے مطابق —

”لوگ ناٹم نوی —“ صاحب کمال کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر
گروپ نے جو آہستہ آہستہ صوفوں سے اٹھ کر اب چینی سلک کے پھول دار
براجمن تھا ایک مودب ریگولیشن کے مطابق نعرہ لگایا۔ قالین کے ابھرے ہوئے پُھر
مختلف زاویوں سے الگ الگ رنگ کے دکھائی دیتے تھے۔

صرف ریٹائرڈ جنرل بشر کے گلاس میں ایکوا پورا تھا... اس پر کچھ شکوک
ابھی تک بات اوپر تک نہیں گئی تھی... کچھ لین دین کا معاملہ تھا۔ اور بات اوپر تک
تو کہاں تک جائے گی... البتہ نسبتاً کم عمر جنرل سلامت ایک پڑھا کو طالب علم کی طرح
دیکھ رہا تھا اور تمام باتیں کلن لگا کر غور سے سُن رہا تھا۔

اس گروپ میں بیشتر ریٹائرڈ آرمی تھے، چند سیاست دان تھے اور کچھ
بیوروکریٹس اور — ایک کُتورا تھا جو کالیے کے ساتھ ہی غسل خانے سے باہر آگیا
قدرے پریشان حالت میں اس کمرے میں آگیا تھا جہاں کچھ لوگ ایک چینی
براجمن بڑے اطمینان سے گفتگو کر رہے تھے۔ یہاں اُس نے اپنا آپ ظاہر کرنا مانا
جانا اور ایک اطالوی میز کے سنہری گل بوٹوں تلے روپوش ہو کر حسبِ توفیق دُم ہلا۔
”نہیں — یہ نہیں ہو گا“ ریٹائرڈ جنرل بشر ایک ایماندار تہیق کے ساتھ

”کیونکہ جو ملک خوابوں کی بنیاد پر حاصل کئے جاتے ہیں اُن میں اللہ کی جانب سے
خاص لچک ایک کُشن سا ہوتا ہے جو تاریخ کے ناروا گھونے برداشت کئے جاتا ہے
سرکنڈوں پر سے ابتلا کے پانی گذر جاتے ہیں اور وہ پھر سے بلند ہو جاتے ہیں اور
رہتے ہیں۔ پاکستان کا دوسرے ملکوں کے ساتھ موازنہ مت کریں۔ یہ خوابوں کی
حاصل کی گئی سلطنت ہے سر۔“

”سر —“ سلامت نے اپنی عینک درست کرتے ہوئے انتہائی عاجزی سے
ایک چندہ مانگنے والے کی عاجزی سے بولا ”انسانی تاریخ کا ایک بہت بڑا خواب سوویت
تھا اُس کا کیا ہوا؟“

”وہ لاندہب تھے۔ اُن میں یقین کی روشنی نہیں تھی۔ ایک پیغمبر اور

ارسٹ کے پیغام میں فرق ہوتا ہے۔

”لیکن سر —“ سلامت نے صرف ایک کلاس روم میں بیٹھے طالب علم کی طرح تھکڑا نہیں کیا لیکن اُسی انکساری سے پھر بولا ”میں سینڈ ہرسٹ میں رہا ہوں سر۔۔۔ اور یٹ پوائنٹ میں بھی کورسز اینڈ کئے ہیں اور سر — وہ لوگ — ویسٹ اور امریکہ کے — اُن میں زیادہ تر لائڈز ہیں اور بہت زیادہ بنیاد پرست ہوں تو صرف سنڈے کے سنڈے چرچ اینڈ کرتے ہیں سر —“

”لیکن وہ گاڈ فیئرنگ تو ہیں —“ بشر نے خشمگیں نگاہوں سے اس نوجوان کو دیکھا جو تواتر روایات کی خلاف ورزی کر رہا تھا یعنی سوال پوچھ رہا تھا اور سینئرز پر اعتراض کر رہا تھا۔ سلامت چپ کی عافیت میں چلا گیا کیونکہ بشر جی۔ ایچ۔ کیو میں اب بھی ایک Say رکھتا تھا۔

”میری بات سُنو یگ مین —“ بشر چند لمحوں کے توقف کے بعد پھر سلامت کی طرف متوجہ ہوا۔

”سر —“

”ہم نے جنگیں لڑی ہیں یگ مین۔ 65ء اور 71ء اور سیاچن۔ تمہیں کیا پتہ ہو کہ نگ کیا چیز ہوتی ہے۔ جنگ کے بغیر تمہارے عمدے تک پہنچ جانا — میں تمہاری ملاجیوں پر شک نہیں کر رہا لیکن جنگ — جنگ ہوتی ہے یگ مین —“

”اِن ڈیڈ سر —“ سلامت نے سر جھکا لیا۔

”ؤف —“ ایک آواز آئی اور سب کے کان اُدھر گئے جس طرف سے یہ آواز آئی تھی اور یہ ”ؤف —“ اُسی ردھم میں تھی جس ردھم میں ”جنگ“ کہا گیا تھا۔

”یہ تو برادر عزیز ہے —“ صاحب کمال نے ایک زوردار قہقہہ لگایا ”کالیے کا غلّ ہے۔۔۔ اور جنٹل مین یہ اس پارٹی میں باقاعدہ مدعو ہے بغیر دعوت کے نہیں آیا“ وہ اٹھا اور اطالوی میز کے نیچے جھک کر اسے دیکھا — ”ؤف —“ کُتورے نے اپنی لموت میں دخل انداز ہونے والی اُس کی شکل کو ناپسند کیا اور وہ ایک چڑھی تیوڑی اور بھینچے ہل کے ساتھ واپس چینی قالین پر آ بیٹھا ”پتہ نہیں گشتیاں کب آئیں گی —“

”جی سر —“ سلامت چونک گیا کہ شائد کوئی لیٹسٹ ملٹری نرم استعمال ہوئی ہے۔

”کچھ نہیں —“

یہ ناکام جنرل مجھ سے جنگوں کی بات کر رہا ہے۔ جرم کی کیفیت اور اہم
ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ نعروں کے شور میں بھی ایک شے ہوتی ہے ضمیر... یا نہیں
وہ مسلسل سرگوشیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ آئی بیٹ کہ ان کے کلن پک چکا
سرگوشیاں سُن سُن کر... یہ اُن پر دھیان دیں تو کیونکر دیں... ان کی آب
روایت زنگ آلود ہوتی ہے۔ اور اس کے باوجود یہ مختار ہیں... یہ سب تو اپنا
65ء کی جنگ جیسی بھی تھی ایک مورال بوسٹر تھی... ہم نے باسٹرز کو مزہ چکا
پیگ ان لاہور جم خانہ مائی فٹ... لالہ لوگ ایک چھوٹی سی نہر... بی آر بی کرا
سکتے تھے سترہ دنوں میں... اُن میں سے ایک پیچھے ہٹا چاہتا تھا لیکن اُس کے ٹروپر
کر دیا تھا... اُن ونگ ہیرو... اور یہ جو صاحب کمال ہیں کمال کے آدمی ہیں...
مردانگی پر بڑا زعم ہے — آل دے ٹائم... بی اے مین — فک دے ہیل آ
دیم... کیا یہ بھی سچر میں شامل تھا... اور اب یہ بھی مختار تھا۔
”ینگ مین یو آر کوائٹ —“ صاحب کمال نے اُنکی اٹھا کر اس کی ج
کیا۔

نوسر — ”سلامت قالین پر بیٹھا بیٹھا شن ہو گیا

اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہاں گھاس کا ایک تنکا بھی نہیں اگتا...
ہیرو آف سیاچن انڈیڈ۔

آخری دن وہ ہیلی کاپٹر کیسے اڑا تھا جس میں مریض اور نرسیں تھیں۔ ا
ہونا تھا اور آل دے جنرلز... ہی وازون آف دیم... فوج میں کہانیاں سفر کرتی ہر
ایک تسلسل میں جاری رہتا ہے... وہاں جیسور یا سلٹ میں ایک میجر تھا جس
نہیں ڈالے تھے... ہی وازاے مین — لیکن اُس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اُس نے ا
احکام کی خلاف ورزی کی تھی... اُس کا کوئی ذکر نہیں اور ٹائیگر کی بیلٹ ابھی تک
نمائش پر رکھی ہے... بیلٹ میجر... ریوالور... ہر شے... سوائے عزت نفس کے...
ٹائیگر ہمیشہ کے لئے لافانی ہو گیا ہے... یہ سب کچھ ہوا تو ہم دیکھ رہے تھے... جنگ
رہے تھے لیکن اُن کے بس میں کچھ نہ تھا... ایک اور جنگ آنے دو پھر ہم انہیں
کہ جنگ کیا ہوتی ہے... وقت اب ہمارا ہے۔

”میں نے تمہیں ریکمنڈ کیا تھا جنرل —“

سلامت پھر شن ہو گیا ”تھینک یو سر —“

اسی نے تو مخالفت کی تھی — ان کی نسل ایک عینک والا اٹلیکچوکل جنرل انورڈ
میں کر سکتی تھی... لیکن وقت بدل چکے ہیں۔

بشر نے اپنا اکوا پیورا رسپ کیا اور کہنے لگا ”سی ڈی حسین صاحب آپ بہت
موش ہیں... کیپٹل کی کیا خبریں ہیں —“

سی ڈی حسین اس یک لخت التفات پر بوکھلا گیا۔ وہ بہت دیر سے اپنا منہ بھینے
ردن گھاگھا کر گفتگو کرنے والوں کے چروں کا پیچھا کر رہا تھا ”بس جی پارٹی ٹھیک جا رہی
ہے —“ اُس نے بالآخر ایک ایم این اے کی متانت چہرے پر طاری کی جو کہ وہ تھا
ایم کو کوئی خطرہ نہیں —“

”ان ڈیڈ —“ صاحب کمال نے صرف سر ہلایا۔ اُسے ان سیاست دانوں سے
ت دشت ہوتی تھی اور وہ کچھ بھی کوٹ نہیں کرنا چاہتا تھا — پالیسی بھی یہی تھی —
الل —

سی ڈی حسین آج اپنے آپ سے بہت خوش تھا۔ وہ بقول کے نوبل کمپنی میں
.. آل دے جنرلز — بلکہ نائٹ آف دی جنرلز۔

”ؤف —“ بٹ خیلوی کُتورے سے رہا نہ گیا اور اُس نے اپنے ہونے کا اعلان
سے کر دیا۔

”سن آف اے ریج —“ صاحب کمال نے حاضرین کی جانب دوا طلب نظروں
دیکھا اور ایک فلک شکاف قہقہہ بلند کیا۔

”بالکل سر —“ سلامت نے اس کی گڈ بکس میں واپس آنے کے لئے یہ موقع
ت جانا اور سب سے پہلے داد دی۔

”کیا بات کی ہے جنرل صاحب —“ سی ڈی حسین بھی ذرا جھوم کر بولا ”بالکل
گلیا کا پچ ہے سر — اور سر آپ جانتے ہیں کہ میں کاموکی سے الیکٹ ہوا ہوں
بس۔ آپ کی مہربانی سر... اور جناب قریب ہی ایمن آباد میں میرا ایک یار ہے حفیظ انجرا
آگٹوں کا بڑا شوق ہے — تو اس کے پاس ایک بڑی شاندار گتی تھی جناب عالی...
شام میں نے انجرا سے کہا اور آپ خود سیانے بیانے ہیں کہ میں نے کس حالت میں کہا

ہو گا تو میں نے اُسے کہا، بھرا کو — کہ یار تمہارے پاس کیا زبردست کُتی ہے —
 کمینہ کہنے لگا، سی ڈے حسین — یہ کیا کُتی ہے، کُتی تو اس کی ماں تھی — ہااا —
 ڈی پہلی بار ذرا کھل کر ہنسا اور قدرے لاپرواہ ہو گیا۔

قومی ایئر لائن کا ایک محمور پائلٹ جو بہت دیر سے گفتگو میں شامل ہونے کے
 پر تَوَل رہا تھا اور کوئی مقام تلاش کر رہا تھا یکدم بول اٹھا ”واہ — حسین صاحب —
 — جناب آپ ہمارے محترم نمائندے ہیں لیکن — ہمیں یہ معلوم نہیں کے آپ
 نام کا جو سی ڈی ہے — یہ کس کا مخفف ہے؟“

”جراغ دین —“ سی ڈی حسین نے ایک عوامی نمائندے کی درخشنگی سے
 دیا اور ”اس کا سی ڈی کیسٹ سے کوئی تعلق نہیں“
 ”اِن ڈیڈ —“ صاحب کمال نے سر ہلایا۔
 ”وَف —“ کُتورا پھر بولا۔

”ذیم اِٹ —“ صاحب کمال نے غصے سے قالین پر تھوک دیا ”کالیے
 برادر عزیز قطعی طور پر ادب و آداب سے بہرہ ور نہیں، نہیں جانتا کہ ایک جمل
 کب وَف... میرا مطلب ہے کب بولنا چاہئے — ہی اِز ناٹ اے جمل میں —“
 ”اس لئے کہ یہ — سَن آف اے بیج ہے سر —“ سلامت نے فوراً لقمہ
 صاحب کمال اُسی غصے میں اٹھا اور گرنے کو تھا کہ سی ڈی حسین نے اُسے
 لیا ”جناب ہمیشہ آپ ہمیں سہارا دیتے ہیں آج تو ہمیں بھی موقع دیں —“
 ”تھینک یُو سی ڈی —“

صاحب کمال آہستہ آہستہ اپنے آپ کو سنبھالتا ہوا اپنے نئے قدم اٹھانے
 کوشش میں اُس اطالوی میز کے قریب گیا جس کے نیچے برادر عزیز براجلن تھا۔ وہ
 اسے گردن سے دبوچ کر فضا میں بلند کر دیا۔ کُتورا بالکل نہیں بولا شاید فوج کا
 میں تھا بس اطمینان سے ٹکتا رہا۔ صاحب کمال نے دروازہ کھولا اور اُسے برآمدہ
 پھینک دیا۔ دروازہ کھولنے سے آوازوں کی جھنجھٹ کے ساتھ طبلے کی تھاپ اُپر
 منزل تک آئی۔ صاحب کمال نے تھاپ کو کلن لگا کر سُنا اور اس پر تاتھئی تاتھئی
 جھٹکا پھر واپس آ گیا۔

کُتورے نے جہاں بھی لینڈ کیا تھا وہیں بیٹھا رہا اور نہایت متانت اور بے

ی احساس کے بغیر ایک ہلکی سی وَف کی اور یہ وَف طلبے کی تھاپ سے ہم آہنگ وَف
ن اور دُم ہلانے لگا۔ دے ڈیم میوزیکل پیٹی۔

فیصل مسجد سے ادھر نیوی کالونی کے نواح میں یہ اسلام آباد کا ایک پاش، بے حد
رزادور منگاترین سکیڑ تھا۔

جیسے بھری دوسرے گاؤں کے کچے گھر روشن ہوتے ہیں ایسے رات کے گیارہ بجے
سکیڑ میں یہ گھر سراسر روشن اور بے حد آباد تھا۔ گیٹ کے قریب دو جیپیں کھڑی تھیں
ان میں پولیس کے اہلکار ڈیوٹی پر تھے۔ علاقے کا ایس ایچ او ذاتی طور پر نگرانی کر رہا تھا تاکہ
ل نہ پڑے۔

کالیے نے اس کے سامنے مدعوئین کی فہرست رکھ دی تھی کہ — یہ آرہے ہیں
۔ غلط نہیں پڑنا چاہئے اور وہ جیپیں لے کر آگئے تھے۔

برگیتا اندر داخل ہوتے ہی ٹھنک گئی — ”مثیل — یہ تو شیگ پارٹی ہے۔
رے علاوہ کوئی عورت نہیں —“

ایک پرفیکٹ ہوسٹ کی طرح کالیا ہر لمحے ہر جگہ موجود تھا چنانچہ جس وقت برگیتا
رمشاہ اندر آئے تو وہ ایک بغلی برآمدے سے فوراً برآمد ہو گیا ”ویکم بھر جائی — بالکل
رست فرمایا آپ جناب نے کہ ادھر صرف ایک عورت ہے — باقی تو — کیتر فاراے
دیک؟“ اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر برگیتا کے ہاتھ میں ایک گلاس تھما دیا اور پھر اپنا
اس بلند کر کے سرخوشی سے نعرہ لگایا ”سکول —“

”سکول —“ برگیتا یکدم بھول گئی کہ وہ اس شیگ پارٹی میں اکلوتی خاتون ہے
اُس نے ایک چھوٹا سا گھونٹ یہ جاننے کے لئے بھرا کہ گلاس میں ہے کیا —

”ارشاد کہاں ہے؟“ مشاہد نے کالیے کے کندھے کو تھپکا۔

”اوپر — تیسری منزل پر جو سن روم ہے اُس میں —“

”وہاں کیا کر رہا ہے؟“

”ستارے گن رہا ہے رات کے سوا گیارہ بجے اکیلا —“

اوپر سن روم میں جب برگیتا اور مشاہد داخل ہوئے تو ارشد انہیں دیکھ کر یوں
تنت ہوا جیسے وہ کسی دیران جزیرے پر عرصہ دراز سے پھنسا ہوا تھا اور اب اُس نے کسی

سمندری جہاز کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

”میں نے زاہد کو منع بھی کیا تھا کہ وہ یہ... یہ سب کچھ نہ کرے۔ اور اب تم رہے ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے“

”وہ یہ سب کچھ تمہارے لئے نہیں کر رہا —“ مشاہد نے اس سے ہاتھ ملایا ایک آرام کرسی میں دھنس گیا، ”تم بیٹھو بریگتا — اے تو بہانہ چاہئے — یہ اُس کی ریشٹنگ ایکس سائز ہے... ان میں سے بیشتر وہ لوگ ہیں جو اس کے کاروبار میں ثابت ہوتے ہیں یا جن کی رفاقت سے وہ اپنے آپ کو معزز ثابت کرتا ہے — یہ کچھ تمہارے لئے نہیں ہے“

”اور ارشد —“ بریگتا نے جھک کر ایک بیزار اور سوجے ہوئے منہ والے کے گالوں پر ایک بہت ہی گیلیا بوسہ دیا اور اپنی مخصوص ہنسی بھری ”تمہیں بہت مبارک ہو۔ لیکن تمہاری بیوی کہاں ہے؟“

”وہ یہاں کیسے آ سکتی تھی — بٹ خیلہ کے شٹل کاک برقعے میں سے نکل یکدم آنا فنا یہاں اس پارٹی میں کیسے آ سکتی تھی۔ یوں بھی یہ کوئی شریف زادیوں آنے کی جگہ ہے؟“

”بالکل نہیں —“ بریگتا نے اک ادا سے کہا۔
ارشد کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ یہ اُس نے کیا کہہ دیا تھا۔ اس نے اٹھ کر

ہاتھ تھام لیا، ”آئی ایم سوری بھابھی... میرا یہ مطلب نہیں تھا“
”میں یوں بھی شریف زادی نہیں ہوں —“ بریگتا بڑا ماننے کی بجائے شراب ان دھجیوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”آئی ایم سوری —“ وہ بہت ہی پشیمان ہو رہا تھا۔
”تم یہاں آنے سے پیشتر وہ سائڈ ہوٹل کی طرف گئے تھے؟“ مشاہد نے سے لا تعلق صرف یہی سوال پوچھنے کے انتظار میں تھا۔

”ہاں —“

”تو پھر؟“

”ہوٹل والے شکایت کر رہے تھے کہ کالیا اُن کا کتورا اٹھا لیا ہے —“
”میں اس کی بات نہیں کر رہا — آلوچے کا وہ درخت، پچھواڑے میں

”شوگر نے کھل چکے تھے؟“
 ”تم بھی بے یقینی میں ہو،“ مختصہ میں ہو — مشاہد وہ شش کاک میرے کمرے میں
 برقعے میں لپی لپٹائی بیٹھی تھی... شادی کی رات تھی اور میں نے اسے کہا میں ابھی آتا
 ہوں۔ اور میں کہاں گیا؟ اپنی کار شارٹ کی رات کے پچھلے پہر اور وے سائڈ ہوٹل چلا
 ... وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ صرف وہ ٹوٹنے کے نزدیک تین کرسیاں پڑی تھیں دریا کے
 کنارے پر ہم بیٹھے تھے... اور میں وہاں دیر تک اندھیرے میں گم بخ بنگلی میں بیٹھا ٹھہرتا
 تھا۔“

”دریا کے بہاؤ کی آواز تھی؟“

”ہاں — شاید —“

”اور شوگر نے کھل چکے تھے؟“

”ہاں۔ شاید۔“

”یہ ہم ہیں ارشد —“

”اور یہ جو ہم ہیں، ہمارے بارے میں کیا خیال ہے —“ برگیتا نے بمشکل اپنی
 ناز کی ”یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو — اور ہم یہاں تمہاری شادی کی خوشی میں
 دیکھنے آئے ہیں... وہ... کیا دیکھنے آئے ہیں مثیل؟“
 ”تم نے ضد کی تھی کہ تم بھی میرے ساتھ چلو گی — تمہارا خیال تھا کہ میں پتہ
 ناکس میڈی ایول اور جی میں شرکت کرنے جا رہا ہوں۔“
 ”ٹھیک ہے لیکن ہم دیکھنے کیا آئے ہیں؟“
 ”مجرا —“

”ہاں آں — رہک“ برگیتا نے چکی لی تو اُس کا سیاہ بدن اس کے سلیٹی لباس میں
 ہل بھر کے لیے ظاہر ہوا ”دی ڈانسنگ گرلز... مردان کو یہاں ہونا چاہئے تھا۔ اُس نے
 سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں مجھے ہیرا منڈی لے کر جائے گا۔“
 ”یار تم اتنی بے دھڑک ہو کر ہیرا منڈی کا نام نہ لیا کرو —“ مثیل نے اسے
 سنبھالیا جیسے وہ جانتا ہو کہ اس بار بھی سمجھانے سے کوئی خاص فائدہ نہ ہو گا ”ارشد تم
 بے آئے؟“

”تم خوش کیوں نہیں ہو؟“